باب چہارم:

مسئلہ وحدۃ الوجود کی حقیقت

وحدۃ الوجود کی ایک عام فہم مگر غیر صحیح توجیہ:

وحدۃ الوجود کے ایک تو سیدھے سادہ معنی یہ ہیں کہ نظام ہستی کی بنیاد دو وجودوں مثلاً یزداں واہرمن یا خدا اور مادّہ پر نہیں بلکہ صرف ایک خدا پر قایم ہے۔ سب چیزیں اسی سے پیدا ہوتی ہیں اور اسی پر ختم ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ وحدت الوجود کا اگر یہی مطلب ہے تو خدا کے ماننے والوں میں ایسا کون ہے جو اس کا انکار کر سکتا ہے [1]؟ لیکن واقعہ یہ نہیں ہے۔ لوگ جواب کا تو ذکر کرتے ہیں لیکن یہ نہیں سوچتے کہ اس جواب سے وہ کس سوال کو حل کرنا چاہتے ہیں۔ پس جیسا کہ میں نے عرض کیا مسئلۂ وحدۃ الوجود اس سوال کا جواب نہیں ہے کہ ''عالم ایک وجود سے پیدا ہوا ہے یا دو سے؟'' بلکہ یہ مسئلہ دراصل اسی سوال کا جواب ہے جسے میں نے عنوان میں درج کیا ہے یعنی ''خدا نے عالم کو کس طرح پیدا کیا؟''

قبل اس کے کہ اس باب میں قرآنی تشریح کو پیش کروں، ان غلط تاویلوں کا پیش کرنا مناسب ہے جن کی وجہ سے عموماً اس مسئلے کی جانب سے لوگوں میں غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے۔ سوال کے متعلق تو معلوم ہو چکا وہ صرف اس قدر ہے کہ خدا نے عالم کو کس طرح پیدا کیا؟ ظاہر ہے کہ انسان اور انسان کے علمی ذرایع، عقل وحواس نہ اس وقت موجود تھے جس وقت کاینات کی بنیاد پڑی، نہ اس وقت عالم کے اس سرچشمے تک

---

[1] بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ وحدۃ الوجود کے یہ وہ معنی ہیں جس کے اقرار پر وہ بھی مجبور ہوئے ہیں۔ جنھوں نے عالم کا سرچشمہ بجائے خدائے حی وقیوم کے مادّہ کو ٹھیرایا ہے۔ آخر مادّہ پرستوں کا خیال اس کے سوا اور کیا ہے کہ عالم میں جو کچھ ہے صرف ایک ہی ہستی اور ایک ہی وجود یعنی مادّہ ہی کی یہ نیرنگیاں ہیں۔ بھلا اس سے بھی زیادہ کوئی بدیہی مسئلہ الٰہیات کا ہو سکتا ہے جس کے ماننے پر مادّہ پرستوں کے دل ودماغ بھی مجبور ہیں؟

ان کی رسائی ہے جہاں سے نت نئی ہستیاں مختلف صفات وکمالات کو لے لے کر برآمد ہورہی ہیں۔اب جوصرف عقل وحواس کے ذریعے اس سوال کو حل کرنا چاہے گا تو اس کے لیے بجز اس کے اور کیا چارہ کار ہے کہ اپنے محدود معلومات کو سامنے رکھ کر مثالوں اور تشبیہوں سے اس کا جواب دے اور یہی کیا بھی گیا۔مختلف نظیروں کو سامنے رکھ کر مختلف لوگوں نے جوابات دیے ہیں،ان میں سے چند یہ ہیں۔

بعض غلط ترتشریحیں اور تشبیہیں:

بعضوں نے کہا کہ (معاذ اللہ) خدا کی مثال ایک انڈے کی سی تھی اور جس طرح انڈا پھٹ کر مرغی بن جاتا ہے اس طرح خدا بھی پھٹ کر عالم بن گیا۔کہا جاتا ہے کہ یہ ہندوستان کے فلسفہ ویدانت کی تعبیر ہے۔وید کی ایک مشہور عبارت سے اس کی تائید پیش کی جاتی ہے۔یجروید میں لکھا ہے:

''اس پرماتما کی نابھی (ناف) سے درمیانی عالم،سر سے بالائی عالم،پاؤں سے زمین اور کانوں سے سمت بن گئے۔اسی طرح وہ سب لوگوں کو پیدا کرتا رہتا ہے۔'' (یجروید ادھیائے نمبر ۳۱)

یہ اور اسی قسم کی اور بھی تشبیہیں ہیں جو عوام الناس میں مشہور ہیں۔مثلاً خدا اور عالم کی باہمی نسبت کو کبھی دریا اور موج اور کبھی عنکبوت اور اس کے تار اور کبھی سیاہی اور حروف وغیرہ❶ سے سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔جن سے بہ ظاہر یہ خیال گزرتا

---

❶ مطلب یہ ہے کہ مکڑی جس طرح باہر سے نہیں بلکہ اندر سے رطوبت خارج کرتی ہے اور اسی سے اپنے اردگرد جالا تنتی ہے یوں ہی (العیاذ باللہ) خدا نے بھی اپنے اندر سے بعض اجزا خارج کیے۔انہی سے عالم بنایا،سیاہی اور حروف والے کہتے ہیں کہ مختلف حرف مثلاً الف بایا ثا اگرچہ اپنی صورتوں اور خصوصیتوں کے لحاظ سے باہم مختلف ہیں،لیکن سیاہی سب ہی میں مشترک ہے،یوں ہی جمادات ونباتات،حیوانات وانسان وغیرہ گو اپنی اپنی صورتوں اور خصوصیتوں کے لحاظ سے مختلف ہیں،لیکن خدا یا وجود ان سب میں مشترک ہے،بعض یوں بھی کہتے ہیں کہ اعداد کے مراتب اگرچہ مختلف ہیں لیکن اکائی سب میں مشترک ہے،یہی حال خدا کا ہے،مگر ظاہر ہے کہ یہ ساری باتیں خدا اور عالم کے صحیح تعلق کو واضح نہیں ◄

ہے کہ ان تشبیہوں والے فلسفۂ ویدانت کی اتباع میں گویا اس کے قایل ہو گئے ہیں کہ خدا یا اس کا کوئی حصہ عالم بن گیا ہے۔ حالاں کہ عیاذاً باللہ اگر ایسا واقعہ ہے تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ خدائے کامل وقادر حیّ وقیوم آخر کیا ہوا کہ وہ خود بیٹھے بٹھائے بغیر کسی مجبوری کے ناقص ومجبور اور معذور بن گیا؟ دکھ، درد، گندگی وناپاکی اور ہر قسم کے عیوب میں لتھڑ گیا، جو کامل تھا ناقص ہو گیا، جو زندہ تھا مردہ بن گیا، پاک تھا ناپاک ہو گیا؟ کیوں کہ عالم اور اس کے اجزا کا تقریباً یہی حال ہے۔

معاذ اللہ خدا غایب:

بلکہ اگر زیادہ غور کیا جائے تو گویا اس صورت میں یہ بھی لازم آتا ہے کہ جب تک عالم نہ تھا اس وقت تک تو خدا موجود تھا لیکن جب عالم پیدا ہو گیا تو خدا غایب ہو گیا۔ آخر مرغی یا درخت کے پیدا ہونے کے بعد کیا انڈا یا تخم باقی رہتا ہے؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ جس مذہب کا خدا ہی معدوم ہو گیا وہ مذہب، مذہب اور دھرم کہلانے کا مستحق کس طرح ہو سکتا ہے؟ نہ معلوم ایسے مذاہب میں کس کی پوجا کی جاتی ہے اور کس کے احکام وقوانین کی پابندی کو فرض ٹھیرایا جاتا ہے۔

خدا کے مخلوق ذہنی ہونے کا نظریہ:

اسی سلسلے میں بعضوں کا بیان ہے کہ خدا ایک وجود کلی ہے اور عالم اس کی

➤ کرتیں۔ مکڑی والی تشبیہ میں لازم آتا ہے کہ خدا کو مختلف اجزا سے مرکب مانا جائے، دریا اور موج والی مثال بھی اسی لیے سمجھ میں نہیں آتی کہ دریا طول وعرض اور عمق رکھتا ہے، اسی لیے تقسیم کو قبول کرتا ہے اور اسی لیے اس کے جس جزو میں ایک موج بنتی ہیں وہ اس جزو سے مختلف ہوتا ہے جس پر دوسری موج کی ہیئت قایم ہوتی ہے۔ علیٰ ہذا سیاہی کو حروف میں مشترک قرار دینا بھی مغالطہ ہے۔ سیاہی کے مختلف اجزا اور قطرات سے مختلف حروف بنتے ہیں، اس لیے جس قطرہ سے مثلاً الف بنتا ہے وہ اس قطرہ سے مختلف ہوتا ہے جس سے با تا وغیرہ حروف لکھے جاتے ہیں، یوں ہی اعداد اکائیوں کے مجموعے کا نام ضرور ہے لیکن دو میں اگر دو اکائی ہوتی ہیں تو تین میں تین، پھر کیا عالم میں بھی ہر ہستی کے ساتھ خدا کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا ہے؟ دراصل یہ ناقص تشبیہات ہیں، جن سے لوگ مغالطے میں مبتلا ہوئے۔

جزئیات وتفصیلات کا نام ہے۔ اس کو یوں سمجھایا جاتا ہے کہ مثلاً انسان ایک کلی یا حقیقت مطلقہ ہے، جس طرح اس کا تحقق یعنی پایا جانا زید وعمر وغیرہ کی شکل میں ہوتا ہے اسی طرح خدا بھی عالم کے مختلف افراد کی شکل میں رونما ہوا۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو اس تشبیہ کے لحاظ سے خدا کوئی واقعی ہستی باقی نہیں رہتا، جس طرح مختلف افراد مثلاً زید وعمر کے اشتراکی اوصاف کو پیش نظر رکھ کر ایک مفہوم مشترک ان سب سے پیدا کرلیا جاتا ہے، جس کا وجود بجز ذہن کے اور کہیں نہیں ہوتا، گویا خدا بھی اسی طرح ہمارے ذہن کا ایک خودتراشیدہ مفہوم ہے۔ ظاہر ہے کہ اس بنیاد پر خدا خالق نہیں بلکہ ہمارے ذہن کی ایک خودتراشیدہ مخلوق بن جاتا ہے۔

معمار کمہار کی تمثیل:

اس سوال کے حل کی ایک راہ وہ ہے جو گذشتہ مثالوں میں دکھائی گئی، اس کے مقابلے میں ایک دوسری جماعت ہے جو اسی مسئلے کا جواب اس مثال سے دینا چاہتی ہے کہ جس طرح صانع مصنوعات کو بناتا ہے، مثلاً معمار مکان، یا کمہار برتن بناتا ہے، گویا اسی طرح خدا نے عالم کو بنایا ہے۔ عوام کے ذہن میں عالم اور خدا کی باہم نسبت کے متعلق کچھ اسی قسم کا خیال ہے۔ اس پر کھلا ہوا سوال ہوتا ہے کہ صانع مصنوع کو بغیر مادّہ کے پیدا نہیں کرسکتا، کمہار بغیر مٹی کے، نجار بغیر لکڑی کے کیا اپنی صنعتی قوت کا اظہار کرسکتا ہے؟ اور جب خدا اسی طرح کا صانع ہے تو اس نے بغیر مادّہ کے کس طرح عالم کو بنایا؟ ہندو فلاسفروں کی ایک جماعت نے اسی بنیاد پر یہ مان لیا کہ ابتدا میں صرف خدا نہ تھا بلکہ خدا کی طرح مادّہ بھی خود بہ خود موجود تھا، اسی مادّہ سے خدا نے عالم کو پیدا کیا۔ آریہ کے نام سے اس زمانے میں ہندوؤں میں جو ایک فرقہ پیدا ہوا ہے اس نے قدیم ہندی فلسفے کے اسی مکتب خیال کو اپنا مذہبی عقیدہ قرار دیا ہے۔

لیکن یہ خیال اتنا مہمل ہے کہ فلسفہ اور مذہب کی کسی جماعت میں بھی اس خیال نے اعتماد پیدا نہیں کیا۔ فلسفہ والے تو یہ کہتے ہیں کہ جب ابتدا میں مادّہ کو مان لیا گیا تو اب عالم کی پیدائش کے لیے خدا کا وجود فالتو ہو جاتا ہے۔ اسی لیے یورپ کے مادیین

صرف اسی کے قایل ہو گئے اور مذاہب چوں کہ توحید کے حامی ہیں اس لیے ان کے لیے مشکل ہے کہ مادّہ کو خدا کی مخلوقیت سے نکالیں۔ کیوں اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب مادّہ ہی خدا کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے تو مادّہ کی مختلف صورتیں جن کا نام عالم ہے اُس کو خدائی مخلوق کہنے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ پھر قطع نظر اس کے اگر عالم اور خدا میں وہ نسبت مان لی جائے جو صانع اور مصنوع میں ہے تو یہ ایک مشاہدہ ہے کہ صانع یعنی معمار کے مر جانے کے بعد مصنوع یعنی مکان معدوم نہیں ہوتا یعنی مصنوعات کے موجود اور پیدا ہو جانے کے بعد صانع کا وجود بے ضرورت ہو جاتا ہے۔ پس اس نظریے کی بنیاد پر کہ عالم خدا نے اس طرح پیدا کیا جیسے معمار مکان بناتا ہے، یہ لازم آتا ہے کہ پیدایش عالم کے لیے ممکن ہے کہ ابتدا میں دنیا کو خدا کی ضرورت ہو لیکن اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی، حالاں کہ تمام مذاہب عالم کو بہر نوع خدا کا محتاج ہر حال اور زمانے میں قرار دیتے ہیں۔

اسلامی وحدۃ الوجود یا مسئلۂ قیومیت:

وہی سوال کہ خدا نے عالم کو کس طرح پیدا کیا؟ اس کے جوابات تم سن چکے، جو غیر اسلامی دایروں سے دیے گئے۔ اب آؤ اور دیکھو کہ قرآن اس کا کیا جواب دیتا ہے۔ قبل اس کے قرآنی تصریحات کو پیش کروں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مسئلے کے اندر پیچیدگی کیوں پیدا ہو گئی؟ بات یہ ہے کہ انسان میں جہاں اور بہت سی فطری خصوصیات ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ بغیر نظیر اور مثال کے کسی چیز کے ماننے میں اسے سخت دشواری پیش آتی ہے۔ یوں ماننے کے لیے کہا جائے تو جبراً قہراً آدمی سب ہی کچھ مان سکتا ہے اور مان لیتا ہے، لیکن اطمینان و تشفی کے لیے وہ نمونہ اور مثال و نظیر کا بالکلیہ محتاج ہے۔ اسی مسئلے میں دیکھیے! واقعہ تو یہی ہے کہ مسلمان ہو یا ہندو، عیسائی ہو یا یہودی، الغرض کسی مذہب کا آدمی ہو، نہ تو کوئی پیدایش عالم کے بعد خدا کو معدوم سمجھتا ہے، نہ خیال کرتا ہے کہ وہ گندگیوں، نجاستوں اور عیوب و نقایص میں مبتلا ہو گیا ہے، حتیٰ کہ آزیوں کے سوا کوئی سچا ہندو بھی یہ نہیں مانتا کہ مادّہ عالم کا خالق خدا نہیں ہے،

بلکہ سب کے سب کائنات کی تمام کثرتوں کو ایک ہستی واحد پر ختم کرتے ہیں۔ دنیا کے تمام مذاہب کا اس پر اتفاق ہے، لیکن بہ ایں ہمہ جب آفرینش عالم کی کیفیت کے متعلق سوال اٹھا تو انھوں نے غلط مثالوں اور نظیروں کے ذریعے سے اس کو حل کرنا چاہا، جن سے ان پر ایسے الزامات قایم ہوگئے جن کے خود وہ قایل نہیں ہیں۔ انہی ''یجروید'' کی عبارت گزری جس میں بہ ظاہر خدا کو تخم فرض کر کے عالم کے درخت کو اس سے اگایا گیا ہے، اس کے بعد لازم آتا تھا کہ پیدایش عالم کے بعد خدا غایب ہوگیا، لیکن یجروید کے اسی فقرے کے آخر میں ''اسی طرح وہ سب کو پیدا کرتا رہتا ہے۔'' اس کا اضافہ کر کے صاف صاف ظاہر کر دیا گیا کہ خدا عالم کو پیدا کرنے کے بعد بھی اس طرح موجود ہے جس طرح اس سے پیشتر تھا۔

قرآن کا خاص طریقہ:

لیکن قرآن نے اس قسم کے مسایل میں رہنمائی بخشنے کے لیے ایک کلیہ ہمارے لیے پیش کر دیا ہے۔ مشہور صوفی شاعر مغربی نے اسی کی طرف اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے ؎

چونیست چشم دلت تا جمال او بینی
نگر بہ صورت خود تا مثال او بینی

ان کا اشارہ قرآن کی اس حقیقت کی طرف ہے کہ ''خدا نے انسان کو اپنا خلیفہ اور نمایندہ قرار دیا ہے۔ میرے نزدیک ''حدیث شریف'' میں اسی کی یہ تفسیر کی گئی ہے کہ

خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ ❶.

مطلب یہ ہے کہ خدا کے افعال وصفات کی مثال اگر مل سکتی ہے تو باہر نہیں بلکہ

---

❶ ''پیدا کیا اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر۔'' واضح رہے کہ یہاں صورت سے مراد وہی ہے جو میں نے متن میں عرض کیا ہے کہ انسان اس عالم میں خدا کے افعال وصفات کا ایک نمونہ ہے، نہ کہ معاذ اللہ جسمانی اور مادّی صورت کہ وہ اس سے وراء الوراء ہے۔ نیز حدیثوں کے سوا یہ فقرہ بایبل میں بھی پایا جاتا ہے۔

آدمی کے اندر ہی کچھ مل سکتی ہے۔ مرزا بیدل نے سچ کہا ہے ؎

ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو و سمن درآ
تو زغنچہ کم ندمیدہ دردل کشا بچمن درآ

پس یہ اہم سوال کہ خدا نے عالم کو کس طرح پیدا کیا؟ اس کے جواب کے لیے بھی بجاے بیرونی مثالوں اور خارجی نظیروں کے یہ مناسب ہوگا کہ ہم اپنے ''تخلیقی افعال و اعمال'' پر غور کریں۔ عام مسلمانوں نے ایک حد تک یہی کیا بھی ہے، لیکن انھوں نے خلق (پیدا کرنا) اور صنعت (بنانا) میں فرق نہیں کیا۔ خدا کس طرح خلق کرتا یا پیدا کرتا ہے؟ اس سوال کو انھوں نے اس مثال سے حل کرنا چاہا کہ انسان کس طرح بناتا ہے اور گو وہ خود اس کے قایل نہیں ہیں کہ عالم اور خدا میں وہ نسبت ہے جو معمار اور مکان میں ہے۔ ہر مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے اور اس کو رکھنا چاہیے کہ جس طرح عالم اپنی پیدایش میں خدا کا محتاج ہے اسی طرح اپنی بقا میں بھی ہر وقت ہر لحظہ وہ خدا کا دست نگر ہے، لیکن انھوں نے جو مثال دی ہے اس سے لازم آجاتا ہے کہ عالم صرف اپنے بننے میں خدا کا محتاج ہو، بننے کے بعد اب اسے خدا کی اسی طرح ضرورت نہ رہی جس طرح مکان کو معمار کی نہیں رہتی ہے۔

اپنے خیالی عمل تخلیق فی الذہن پر غور کرو:

پس اصل یہ ہے کہ اگر کوئی اس سوال کو حل کرنا چاہتا ہے تو اس پر غور کرنا چاہیے کہ انسان اپنی ''مخلوقات'' کو کس طرح پیدا کرتا ہے؟ شاید لوگوں کو تعجب ہو کہ کیا انسان بھی کوئی چیز پیدا کرتا ہے یا کرسکتا ہے؟ آپ کو یاد ہوگا ابتدا میں میں نے ہی آپ کو بتایا تھا کہ ''انسان صرف جان سکتا ہے، کسی چیز کے پیدا کرنے کی اس میں صلاحیت نہیں ہے۔'' مگر سچ یہ ہے کہ انسان کے تمام اندرونی افعال پر ابھی غور نہیں کیا گیا۔ یہ درست ہے کہ باہر کی چیزوں کے حساب سے انسان ان پر صرف صنعتی عمل ہی کرسکتا ہے، قوانین فطرت کو جان کر ان کی صلاحیتوں کو کھول سکتا ہے، مثلاً وہ پتھر پیدا نہیں کرسکتا، لیکن پتھر میں مورت یا صورت بننے کی جو صلاحیت ہے اسے وہ پتھر اور لوہے

کے قوانین جاننے کے بعد ظاہر کر سکتا ہے۔

یہ تو باہر کا حال ہے (اور اسی لحاظ سے میں نے پہلے وہ بات کہی تھی) مگر اب اس کے اندرونی افعال پر غور کرو، انسان جب عالم خیال میں عمل کرتا ہے اس وقت سوچو کہ وہ کیا کرتا ہے؟ دیکھو! نہ اینٹ ہوتی ہے نہ چونا، نہ پتھر ہوتے ہیں نہ اور کچھ، لیکن آدمی چاہتا ہے کہ میں مثلاً چار مینار (1) کو (ذہن کی دنیا میں) پیدا کروں، ارادہ کرتا ہے اور چار مینار کو اپنے سامنے کھڑا پاتا ہے اور اسی طرح اپنے علم میں بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی ہر قسم کی چیزوں کو وہ پیدا کرتا ہے۔

دماغوں میں تصویریں چھپنے کا سلسلہ:

احمقوں کا گروہ ہے جو خیال کرتا ہے کہ دیکھنے کے بعد مثلاً چار مینار کا عکس ہمارے دماغ میں چھپ جاتا ہے اور جب ہم التفات کرتے ہیں تو وہی عکس ہمارے سامنے آجاتا ہے، لیکن کاش وہ سوچتا کہ اگر چار مینار کا عکس ہمارے دماغ میں اترتا ہے تو انسانی بھیجے کی تشریح و تحلیل سے یہ عکس اس سے کیوں برآمد نہیں ہوتا؟ اگر واقعی دماغ میں تصویروں کے چھپنے کا سلسلہ جاری ہے تو ایک کھوپڑی کے توڑنے کے بعد چاہیے کہ تصویروں کا ایک انبار ہمارے دماغوں سے ابل پڑے، حالاں کہ یہ مشاہدے کے خلاف ہے اور یہی نہیں انطباع کا ایک قانون یہ بھی ہے کہ ایک پلیٹ یا ایک چیز پر جب کسی چیز کی تصویروں کے باہمی اختلاط سے دونوں ہی کی اصل بگڑ جائے گی۔ حالاں کہ عالم خیال (یا علمی عالم) میں ہر ایک چیز دوسری سے ممتاز اور اپنی اصلی حالت میں محسوس کی جاتی ہے۔ یہ عجیب لوگ ہیں، اتنا بھی خیال نہیں کرتے کہ ہم قوت تخیل سے جب چار مینار کو اپنے ذہن میں پیدا کرتے ہیں تو وہ اپنی وسعت کے

---

(1) یہ حیدرآباد کی ایک مشہور تاریخی عمارت کا نام ہے۔ اس کی تاریخیت ہی کا یہ اثر ہے کہ سلطنت آصفیہ کے طلائی و نقرئی سکوں پر اسی عمارت کی تصویر طبع ہوتی ہے۔ طلبائے جامعۂ عثمانیہ قدرتاً اس عمارت سے مانوس ہیں۔ اسی لیے درس میں تفہیم کے لیے اسی عمارت کا انتخاب کیا گیا۔ عام قارئین بجائے چار مینار کے کسی اور عمارت یا چیز کو فرض کر سکتے ہیں۔ الارشاد فی المثال۔

لحاظ سے سیکڑوں گز کی لمبی چوڑی عمارت ہوتی ہے، پھر کیا چند انچ کے دماغ میں اتنی لمبی چوڑی وسیع و کشادہ عمارت سما سکتی ہے؟

پس واقعہ یہ ہے کہ چھپنے اور انطباع کا قانون قطعاً ایک بازاری اور عامیانہ خیال ہے۔ بلکہ صحیح بات وہی ہے جیسا کہ فلاسفۂ اسلام اور صوفیہ ❶ کا نظریہ ہے کہ انسان کو جب کسی چیز کا علم حواس کے ذریعے سے ہوتا ہے تو اس علمی اثر کے بعد انسان میں اس کی قدرت پیدا ہو جاتی ہے کہ اپنی معلوم کی ہوئی شے کو اپنی خیالی قوت سے پیدا کرے اور یہی انسان کا ''تخلیقی عمل'' ہے۔ تفہیم کے لیے ہم اپنی اصطلاح میں اس تخلیقی قوت کا ایک نام ''کُن فیکونی قوت'' رکھتے ہیں **ولامشاحة فی الاصطلاح.**

قرآن کا بیان ہے کہ اس کُن فیکونی قوت سے خدا بھی اپنی مخلوقات کو پیدا کرتا ہے۔ ارشاد ہے:

اِنَّمَا اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ○

(سورۂ یٰسین:۸۲)

''اس کا کام یہ ہے کہ جب کسی چیز کے متعلق ارادہ کیا تو اس سے کہتا ہے کہ ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے۔''

اور صرف یہی نہیں بلکہ اپنے خیالی اور علمی یا ''کُن فیکونی مخلوقات'' سے جس قسم کے تعلقات انسان کے ہوتے ہیں قرآن پاک نے ان سارے روابط کو خدا اور عالم کے درمیان ثابت کیا ہے۔ میں ان تعلقات اور نسبتوں میں سے بعضوں کو یہاں درج کرتا ہوں۔

① پہلا تعلق: قرآن کا دعویٰ ہے کہ حق تعالیٰ نے عالم کو بغیر مادّہ کے پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ

---

❶ شیخ اکبرؒ اپنی کتاب فصوص الحکم میں فرماتے ہیں۔ بالوھم یخلق کل انسان فی قوۃ خیالہ مالا وجود لہ الا فیھا وھذا ھو الامر العام۔ فتوحات مکیہ، اسفار اربعہ وغیرہ میں اس مسئلے کی تفصیلات دیکھیے۔

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (سورۂ بقرہ:۱۱۷)

''نیا پیدا فرمانے والا آسمان اور زمین کا۔''

کے قرآنی الفاظ کا اقتضاء یہ ہے اسی کی تفسیر حدیث میں ہے کہ

کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَّعَہٗ شَیْءٌ.

جس کے معنی یہی ہیں کہ آسمان وزمین کچھ نہ تھے اور پھر پیدا ہو گئے۔

حاصل یہ ہے کہ ابتدا میں خدا کے سوا کچھ نہ تھا یعنی مادّہ وغیرہ کچھ نہیں تھا اور پھر خدا نے قوتِ کُن سے اس عالم کو پیدا کیا۔ ٹھیک جس طرح ہمارے خیال یا (علم) میں کچھ نہیں ہوتا ہے پھر محض اپنے ارادۂ کُن سے اپنے معلومات کو ہم وجود عطا کرتے ہیں۔ پس اگر خدا نے بھی ایسا ہی کیا تو اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟

② اسی طرح قرآن کا بیان ہے کہ

وَمَآ اَمْرُ السَّاعَۃِ اِلَّا کَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ ھُوَ اَقْرَبُ. (سورۂ نحل:۷۷)

موجودہ نظام عالم کی بربادی کے لیے (یا قیام قیامت کے لیے) پلک جھپکانے بلکہ اس سے بھی کم زمانے کی ضرورت ہے۔''

ہم بھی جب اپنے خیال اور علمی مخلوق مثلاً اسی چار مینار کو جسے خیال میں پیدا کرتے ہیں اگر برباد کرنا چاہیں تو اس کے لیے لَمْحِ بَصَرْ (پلک جھپکانے) سے زیادہ وقت کی ضرورت نہیں صرف توجہ کا ہٹا لینا کافی ہے۔ توجہ ہٹا لینے کے ساتھ ہی ہمارے خیالی مخلوقات معدوم ہو جاتے ہیں اور بغیر کسی مادّہ چھوڑنے کے معدوم ہو جاتے ہیں۔

③ ہماری خیالی اور علمی مخلوق مثلاً چار مینار جس طرح پیدا ہونے میں ہمارے ارادے اور توجہ کی محتاج ہے ٹھیک اسی طرح ہر لحظہ اور ہر لمحہ اپنے قیام و بقا میں بھی ہماری توجہ اور التفات کی وہ دست نگر ہے۔ یہی قرآن کا بھی بیان ہے کہ خدائے تعالیٰ عالم کا صرف خالق ہی نہیں ہے بلکہ قیوم بھی ہے، یعنی وہی اسے تھامے ہوئے ہے (یعنی عالم اسی سے قایم ہے)۔

اگر ادنیٰ التفات اس کی طرف سے ہٹا لے تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُـوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ.

(سورۂ بقرہ: ۲۵۵)

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ ہے (یعنی مردہ مادّہ نہیں ہے)، قیوم ہے، (یعنی عالم کو تھامے ہوئے ہے۔ ایسا خالق نہیں ہے جیسا کہ معمار مکان کا یا صانع مصنوع کا، بلکہ وہ خالق قیوم ہے)، اسے نہ غنودگی پکڑتی ہے اور نہ نیند چھوتی ہے (کیوں کہ اگر ایسا ہو تو نظام عالم قایم نہیں رہ سکتا)۔''

خیال میں کسی مخلوق کو پیدا کر کے اگر کوئی اونگھ جائے یا سو جائے تو اس کی یہ پیدا کی ہوئی مخلوق کیا باقی رہ سکتی ہے؟

④ اب اس پر غور کیجیے کہ مثلاً زید اپنی ''کُن فیکونی قوت'' سے عالم خیال میں جس وقت چار مینار کو پیدا کرتا ہے، کیا زید چار مینار ہو جاتا ہے یا چار مینار زید بن جاتا ہے؟ ہم بالبداہۃ جانتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے ❶۔ لیکن اسی کے ساتھ اس کو سوچیے کہ اس خیالی اور علمی چار مینار کا وجود زید کے وجود اور ارادے سے کیا جدا ہے؟ اس کے ہونے کے معنی بجز اس کے اور کیا ہیں کہ اس کا ارادہ اس کی توجہ اس کی طرف ہے، یہ نہ ہو تو چار مینار کی نہ دیواریں ہوں نہ محراب اور نہ مینار..... تو اسی طرح سمجھیے کہ نہ عالم خدا بن گیا ہے نہ خدا عالم بن گیا ہے، لیکن عالم کا وجود بجز اللہ کے وجود اور ارادے کے کچھ نہیں ہے۔

⑤ اس پر بھی غور کیجیے کہ آپ جس وقت اپنی خیالی مخلوق کو ذہن میں پیدا کرتے

---

❶ آخر خود غور کرنا چاہیے کہ اپنے ذہن میں جو کوئی مثلاً گدھے کا تصور کرتا ہے کیا اس وقت وہ گدھا بن جاتا ہے یا گدھا وہ ہو جاتا ہے؟ کھلی ہوئی بات ہے کہ ایسا نہیں ہوتا۔ پس خالق قیوم کے متعلق بھی یہ باور کرنا کہ قیومی نسبت کی وجہ سے وہی عالم ہے اور عالم وہی ہے، اپنی ہی حماقت ہے۔ تعالی اللہ عن ذالک علوا کبیرا۔

ہیں کیا اپنے آپ کو اس خیالی مخلوق کے کسی فوقانی، تحتانی، ظاہری و باطنی حصے سے غایب پاتے ہیں؟ غور کیجیے کہ آپ جس طرح اپنے کو اس کی دیواروں کی جڑ کے پاس پاتے ہیں اسی طرح اس کے میناروں پر بھی یقیناً پائیں گے، آپ کو جو نسبت اس کے ظاہر سے ہے اس کے باطن سے بھی وہی نسبت آپ کو ہوگی۔ قرآن یہی کہتا ہے کہ خالق قیوم عالم کے اوّل میں بھی ہے اور آخر میں بھی ہے، باطن میں بھی۔ ارشاد ہے:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○ (سورۂ حدید:۳)

''وہی اوّل ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے اور وہی ہر چیز کا جاننے والا ہے۔''

کہیں فرمایا جاتا ہے کہ خدا عرش پر ہے، کہیں ارشاد ہوتا ہے کہ وہ انسان کی رگ گردن کے پاس بھی ہے۔ خود ہی غور کیجیے ایک خالق اور اس کی مخلوق میں اس کے سوا اور نسبت ہی کیا ہوتی ہے؟ آخر آپ بھی تو اپنے آپ کو اپنے خیالی چار مینار کے کنگروں پر بھی پاتے ہیں اور اس کی دیوار کی جڑوں کے پاس بھی، پھر اگر اس عالم کا خالق اگر عرش پر بھی ہو اور آپ کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہو تو اس کے سوا اور عقل سوچ ہی کیا سکتی ہے؟

⑥ اب دیکھیے! چار مینار ایک طویل و عریض عمارت ہے، آپ اپنے ذہن میں جس وقت اسے پیدا کرتے ہیں اس کے طول و عرض کے ساتھ پیدا کرتے ہیں، اس لمبائی اور چوڑائی کے باوجود آپ اپنے کو کیا اس کے ذرّے ذرّے پر محیط نہیں پاتے؟ لیکن کیا اگر اس ذہنی چار مینار کو آپ دو حصوں میں تقسیم کر دیں گے تو اس کی تقسیم کی وجہ سے آپ کے بھی دو حصے ہو جاتے ہیں؟ قطعاً نہیں، قرآن بھی یہی کہتا ہے:

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُحِیْطٌ ○

''اللہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہیں۔''

لیکن اس احاطے کی وجہ سے خدا کی ذات میں کوئی تقسیم اور تجزی نہیں ہوتی۔

⑦ اسی طرح آپ اپنے ذہنی وعلمی چار مینار کے کسی مینار کو توڑ دیجیے یا اس کے کسی حصے میں کوئی گندگی، نجاست وغیرہ مثلاً فرض کیجیے پھر کیا اس شکست وریخت اور اس گندگی ونجاست کا اثر آپ پر بھی مرتب ہوتا ہے؟ یقیناً نہیں، پھر اگر قرآن خدا کو عالم کی ہر چیز کے ساتھ ہر جگہ مانتا ہے لیکن باوجود اس کے عالم کے کسی تغیر، کسی عیب ونقص کا اثر خدا کی ذات پر نہیں پڑتا تو کیا ''کُن فیکونی مخلوقات'' کے ساتھ خالق کے تعلقات کی یہی نوعیت نہیں ہوتی ؟

⑧ آپ جس وقت اپنے ذہن میں کسی پہاڑ یا کسی شہر کو پیدا کرتے ہیں کیا اس ذہنی، خیالی یا علمی مخلوق میں کسی دوسرے کے ارادے سے کوئی چیز اپنی جگہ سے ہل سکتی ہے؟ غور کیجیے اس کا ہر ذرہ آپ ہی کی مرضی اور آپ ہی کے ارادے کا پابند ہے، دوسرے کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

پس مذہب بھی اگر یہی کہتا ہے کہ

اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ. (سورۂ یونس:۱۰۷)

''اگر چھوئے اللہ تجھے کسی ضرر کے ساتھ پر اسے کوئی کھولنے والے نہیں لیکن وہی اور اگر ارادہ کرے تیرے ساتھ بھلائی کا کوئی اس کی مہربانی کا پلٹانے والا نہیں۔''

یعنی اس عالم کے کسی حصے میں کوئی واقعہ بھی ہو بغیر ارادہ واذن حق کے نہیں ہوسکتا اور کسی دوسرے کا تصور یا ارادہ یا فعل اس میں قطعاً موثر نہیں ہوسکتا، تو کیا عقل اس کے سوا کچھ اور بھی سوچ سکتی ہے؟

⑨ آپ جب خیالی چار مینار کو پیدا کرتے ہیں تو جہاں آپ ہوتے ہیں کیا چار مینار بھی وہیں نہیں ہوتا؟ جب ایسا ہے تو خدا نے جب عالم کو پیدا کیا اور خدا اس کا خالق اور وہ اس کا مخلوق ہے تو اس کے بعد یہ سوال کتنا بے معنی ہوجاتا ہے کہ عالم کہاں ہے اور خدا کہاں ہے؟

یہ سچ ہے کہ ایک ہی نوعیت یا ایک ہی ظرف کے دو وجود یعنی دو مخلوق یا اگر دو خالق فرض کیے جا سکتے ہوں تو ایسے دو ہم ظرف ❶ و ہم مثل وجودوں کی ایک ہی فضا یا ایک ہی مکان میں گنجایش نا قابل تصور ہے، لیکن دو ہستیوں میں ایک خالق اور دوسری مخلوق ہو تو ایسی حالت میں مخلوق کے پائے جانے کے لیے خالق کا علم و ارادہ اور اس کی توجہ ہی کافی ہوتی ہے۔ جب قرآن میں فرمایا گیا کہ

هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ. (سورۂ حدید:۴)

تو لوگوں کو تعجب ہوا کہ جہاں ہم ہوتے ہیں وہیں خدا کس طرح ہو سکتا ہے؟ لیکن لوگ اپنے مخلوقات کے متعلق نہیں سوچتے کہ جہاں وہ ہوتے ہیں کیا وہاں ان کے مخلوقات ان سے باہر ہوتے ہیں؟ اسی کے ساتھ اگر آدمی اپنے ذہنی مخلوقات کے متعلق غور کرے تو کیا اپنے آپ کو ان کے نیچے یا اوپر یا کسی اور سمت میں پاتا ہے؟ یقیناً خالق و مخلوق میں کوئی ایسی سمتی نسبت نہیں پیدا ہوتی، پھر کیا ہوا اگر قرآن میں اعلان کیا گیا کہ

اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ. (سورۂ بقرہ:۱۱۵)

''جدھر تم رخ کرو گے وہیں خدا ہے۔''

---

❶ عموماً موجودات کی تقسیم یوں کی جاتی ہے کہ ان کا وجود انسانی ارادے اور خیال کا اگر تابع ہے، مثلاً ذہنی اور خیالی مخلوقات کا جو حال ہے ان ہی کا نام موجودات ذہنیہ رکھا جاتا ہے۔ سمجھا جاتا ہے کہ انا کے وجود کا ظرف انسان کا ذہن ہے، لیکن انسانی ارادے اور خیال کا تابع اگر ان کا وجود نہ ہو، بلکہ حق تعالیٰ کے تخلیقی ارادے اور ایجادی قیومیت کے ساتھ ان کا وجود وابستہ ہو تو ان ہی کو خارجی موجودات کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے تحقق اور یافت کا مقام و ظرف خارج ہے۔ یعنی انسانی ذہن و خیال سے ان کا وجود خارج ہے۔ ان ذہنی اور خارجی موجودات کے سوا ایک وجود حق تعالیٰ کا ہے، جو ظاہر ہے کہ خود بخود ہے اور حق تعالیٰ کے تخلیقی ارادے کے تابع نہیں ہے، لیکن عام ارباب فکر اس تیسری قسم سے غافل ہو کر وجود کو صرف دو ہی قسموں خارجی و ذہنی میں منحصر سمجھتے ہیں۔ اسی لیے خالق اور مخلوق کے وجود میں نوعیت اور ظرف و مقام کے لحاظ سے ان کو کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ گویا دو مخلوق وجودوں میں جو تعلق ہوتا ہے سمجھتے ہیں کہ یہی تعلق خالق و مخلوق کے وجود میں بھی ہے، یہی بے تمیزی لغزش اور مغالطے کا مقام ہے۔

سوچنا چاہیے کہ آخر اس کے سوا اور کیا کہا جاتا؟

الحاصل خدا نے عالم کو کس طرح پیدا کیا؟ وہ عالم کو کس طرح محیط ہے؟ وہ ہر چیز کے ساتھ کس طرح ہے؟ عالم کے ہر ذرّے کی حرکت وسکون حق کے ارادے کے ساتھ کس طرح وابستہ ہے؟ وہ اپنی مخلوقات کے ظاہر و باطن میں کس طرح پایا جاتا ہے؟ ان سارے سوالات کا حل بجائے باہر کے اگر آدمی سوچے تو خود اپنے اندر پا سکتا ہے اور یہی مطلب ہے اس فقرے کا کہ ''عالم کا وجود بجز وجود حق کے اور کچھ نہیں۔''

صحیح حدیث میں:

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ.

''ہاں! ہر چیز اللہ کے سوا ہیچ ہے۔''

کے مصرع کی توثیق فرمائی گئی ہے۔ بہ ایں ہمہ نہ خدا عالم بنا ہے نہ عالم خدا بن گیا ہے، اور آپ نے دیکھا کہ خالق ومخلوق کی باہمی نسبتوں پر غور کرنے کے بعد فطرت انسانی اس اسلامی اور قرآنی بیان کے سوا کسی اور راہ سے کیا تسلی پا سکتی ہے؟ اسی مسئلے کو مسئلۂ قیومیت کہتے ہیں۔ عارف جب اثر وموثر، خالق ومخلوق میں ان نسبتوں کا مشاہدہ کرتا ہے تو چیخ اٹھتا ہے ؎

ندیم و مطرب و ساقی ہمہ اوست
خیال آب و گل در رہ بہانہ

(العارف الشیرازیؒ)

یعنی آب وگل خدا کا خیالی یا تخلیقی عمل ہے۔ مغربی نے اور واضح لفظوں میں تشریح کی ہے، ان کی اسی غزل کا ایک شعر یہ بھی ہے، جس کے مطلع کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

خیال بازی اوبیں کہ پردۂ اوخیالی
فگندہ بررخ خود تا خیال اوبینی